© rasailojaraid.com

نظامِ چشتیہ اور سلاطینِ دہلی

از

(جناب شیخ وحید احمد صاحب)

تاریخی پس منظر کے لحاظ سے یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ پہلے خرابی نظامِ سلطنت میں ظہور پذیر ہوئی یا نظامِ چشتیہ میں۔ یہاں ہندوستان میں اگرچہ ان دونوں نظاموں کی ابتدا تقریباً ایک ہی ساتھ ہوتی ہے لیکن یہ دونوں لازم و ملزوم نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہیں۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ ایک کی خرابی دوسرے نظام کی خرابی پر اثر انداز ہوئی یا اس کا باعث بنی۔ پھر یہ امر اپنی جگہ چیستان ہے کہ خرابی کی ذمہ داری سلاطین پر عائد ہوتی ہے یا مشائخ پر یا دونوں پر۔ غرض فیصلہ کرنے کے لئے ان دونوں کے تعلقات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ تعلقات کے متعلق بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ مشائخ چشتیہ سلاطین سے ہر حال میں بے تعلق رہے اور ان کی خانقاہیں حکومت کی مرہونِ منت نہیں تھیں البتہ سلاطین نے اپنے احوال کے مطابق کبھی مشائخ کے قدم لئے ہیں اور کبھی ان پر ستم ڈھائے ہیں ایسی صورت میں بظاہر سلطنت و سوسائٹی کی تباہیوں کا سہرا سلاطین کے سر پر راس آتا ہے کیوں کہ سلطنت و سوسائٹی کی فلاح میں انھیں کی بہتری تھی۔ مشائخ کے فرائض میں خدمتِ خلق بھی ہے مگر اپنی کوشش کے نتائج سے وہ بے نیاز رہتے ہیں اس لئے کہ وہ راضی برضا ہونے کے مدعی ہیں۔ اندریں حالات بہتر و مناسب یہی ہے کہ ان دونوں نظاموں کو اپنی اپنی خرابی کا ذمہ دار سمجھا جائے اور ایک کی خطا کا بار دوسرے پر نہ ڈالا جائے۔ سلاطین و مشائخ کے مرکزوں کی تبدیلیوں سے بھی اس بے بنیاد سوال کی گتھی نہیں سلجھتی، مشائخ نے اپنے مرکز کی تبدیلیاں یا تو خود اپنے مقصد کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی خوشی سے کی ہیں یا سلاطین کے جبر و ظلم سے مجبور ہو کر انھیں جگہ بدلنا پڑی ہے تا کہ مقصدِ اشاعت میں فرق نہ آنے پائے ہر دو حالتوں سے مشائخ کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے اور تبدیلیٔ مقام کو ان کی خرابیوں یا موت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ بر خلاف اس کے سلاطین کے مرکز کی تبدیلیوں سے دو حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے سلطنت میں فتور واقع ہوا اور دوسرے یہ کہ نئے مرکز اس جگہ بنائے گئے جہاں مشائخ نے میدان طیار کر دیا تھا، تبدیلیٔ مرکز کی ایک مثال نئی ملتی ہے۔ محمد تغلق نے ہوش و حواس کے ساتھ اپنا مرکز دہلی سے دکن میں منتقل کرنا چاہا مگر وہ پاگل کہلایا اور ناکام ہوا۔ بعد کو دکن میں رونق اس وقت آئی جب کہ مشائخ نے اس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ ان دلائل کے بعد یہ دلیل کہ بعض مشائخ کی اولاد جبر یا طمع کی وجہ سے حکومت کا آلہ کار بن گئی تھی تعلیم چشتیہ کی خرابی کا باعث نہیں سمجھی جا سکتی اس لئے کہ مشائخ کے یہاں سلاطین کی طرح وراثت نہیں چلا کرتی۔ اپنی گمراہیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے پسر نوح خاندان نبوت سے علیحدہ ہو گیا لیکن تعلیم نوح علیہ السلام میں اس سے کوئی ضعف نہیں آیا بلکہ وہ اور بھی زیادہ پروان چڑھی۔ اس کے بجائے اب اگر ہر کمالے را زوالے کے اصول پر دونوں نظاموں کی خرابیوں پر علیحدہ علیحدہ بحث کی جائے تو زیادہ مناسب اور نتیجہ خیز ہے۔ ظاہر ہے کہ سلاطینِ ہند نے اسلام کے نام سے فائدہ اٹھایا ہے ورنہ حقیقت میں وہ اسلام سے بہت دور تھے۔ ان کی خرابیاں ان کے حالات و واقعات سے نمایاں ہیں۔ پابندِ مذہب نہ ہونے اور تعیش و نفسانیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انھیں سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑا اور عمر طبعی سے پہلے سیلِ فنا انھیں بہا لے گیا۔ سلسلۂ چشتیہ اپنی فطرت اور تاریخ کے لحاظ سے یقیناً اسلام کی فطرت اور تاریخ کا آئینہ ہے۔ تاریخِ اسلام بتاتی ہے کہ مصلح اسی وقت نمودار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا جب کہ رخنوں اور فتنوں نے سر اٹھایا۔ اپنے عہد میں جملہ قسم کے فتنوں کا انسداد کر کے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف فطرتِ انسانی کی کمزوریوں کو ظاہر کر دیا اور دوسری طرف بہ حسن وخوبی اُن نقائص کا علاج بتلا دیا جس کی منطق وفلسفہ کو ہوا بھی نہیں لگی۔ رازِ فطرت میں چون وچرا کو دخل نہیں۔ حضرت یوسفؑ علیہ السلام نے خود غلہ میں کٹورا رکھوایا۔ خود اپنے بھائی کو ملزم بنایا اور بجائے قید خانہ میں رکھنے کے اپنا مہمان بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح پر آمادہ کیا گیا مگر ذبح ان کے بجائے کی گئی گوسفند بہشتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چون وچرا کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی اختیار کرنا پڑی۔ تاویلیں جس طرح بھی کی جائیں مگر حقیقت ممنونِ تاویل نہیں۔ ہندوستان میں نظامِ چشتیہ کے معمارِ اول حضور غریب نوازؒ کے اصولوں کو اگر سلاطینِ ہند سمجھنے کی کوشش کرتے توجہاں داری کے انداز انھیں حاصل ہو جاتے۔ اور قرآن کی تفسیر جو بدلے ہوئے حالات میں اپنے سلوک واخلاق سے کی تھی اس سے واقفیت ہو جاتی حضرت والا نے نئی فضا اور نئے ماحول میں اپنے اخلاق وسلوک سے صرف خلائق کو ہی ادب نہیں سکھایا بلکہ ان مسلمانوں کو بھی ہدایت وبصیرت بخشی جو اُن سے پہلے یہاں آکر مقیم ہو گئے تھے اور اپنی خودی کے تحفظ کے متعلق گومگو میں مبتلا تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ کسی جانب سے اس تفسیر پر انگلی نہیں اٹھائی گئی۔ بہر حال نظامِ اسلام کے تنزلؑ کے جو اسباب ہو سکتے ہیں وہی اسباب نظامِ چشتیہ کے انحطاط کے بھی ہوئے اور ان اسباب کو حکومت کی موافقت یا مخالفت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اپنے نبیؐ کی ذہنیت کے مطابق امتِ مسلمہ کی ذہنیت بھی علم وحکمت کی علم بردار ہے جب اہلِ اسلام علم وحکمت سے ہٹ گراوہام وشکوک میں مبتلا ہو گئے تو روحِ اسلام جاتی رہی۔ اسی طرح سلطنتوں کی تباہیوں پر شکستہ دلوں کی ڈھارس بندھاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بندھاتے جب مشائخ نے تباہ شدہ سلاطین کی وجاہت و نمایش کی نقالی کر کے بادشاہی اختیار کرلی تو روح غائب ہوگئی اور ظاہری نمایش ہی حقیقت سمجھی جانے لگی۔ اہلِ چشت کی خانقاہیں جب تک عزت و امارت کا سنگم بنی رہیں کامیاب رہیں لیکن جب ان میں بادشاہت کی شان پیدا ہوگئی تو مباحثہ و مقابلہ کے اختلافات نے مسمار کردیا۔ چنانچہ نظامِ چشتیہ بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ مضمحل ہوگیا عجیب تماشا ہے کہ طریقِ معرفت میں جب اول اول ظاہری علم و مصلحت نے دراندازی کی تو اہلِ معرفت نے خانقاہ نشینی اختیار کی۔ اب جب خانقاہ نشین اپنی حقیقت سے گذر کر نمایشی اخلاق برتنے لگے تو حقیقت شناسوں نے خانقاہوں کو بھی سلام کرلیا اور صحرائے گمنامی میں روپوش ہوگئے۔ تشخیصِ مرض کے بعد اس سوال کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ کون سا نظام پہلے تباہ ہوا اس سلسلہ میں ہمارے دو فخرِ قوم تذکرہ نویسوں کے بیانات قابل ملاحظہ ہیں۔ جناب محمد اکرام صاحب آئی سی ایس نے اپنی تالیف "آبِ کوثر" میں نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ :- "اس میں شک نہیں کہ بعض شاہانِ اسلام نے اسلامی اصول کی قدر کی ...... لیکن مذہبِ اسلام اور اسلامی علوم سلاطین کی وجہ سے قایم نہ تھے بلکہ ان لوگوں کے دم سے قائم تھے جو روحانی تسکین اور رضائے باری تعالٰی کی رضاجوئی کو اپنی کوششوں کا صلہ سمجھتے تھے" برخلاف اس کے "تاریخ مشائخ چشت" کے فاضل مؤلف جناب خلیق احمد نظامی صاحب نے جو خیال ظاہر کیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ "نظامِ حکومت میں خرابی آنے سے پہلے نظامِ چشتیہ میں خرابی واقع ہوئی کیوں کہ صوفی سوسائٹی کے اخلاق کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور سوسائٹی کے انتشار سے حکومت میں تزلزل پیدا ہوا کرتا ہے" علاوہ ازیں تاریخ کا مطالعہ پہلی نظر میں بتاتا ہے کہ جب سلاطین کی ناکردنیوں کی وجہ سے سوسائٹی میں انتشار پیدا ہوا اور مردنی چھائی تو مشائخ نے ہی مایوس قلوب کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ڈھارس بندھائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلاطین آستینیں چڑھا کر مشائخ کے بھی مقابل آگئے۔ ان ملاحظات کے بعد کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا سوائے اس کے کہ تاریخ ایک سبق سکھاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

حضور غریب نوازؒ نے اجمیر کو مستقر و مرکز بنانے کے بعد سب سے پہلے خواجہ قطب صاحبؒ کو دہلی میں اور سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوریؒ کو ناگپور میں تبلیغ کے لئے متعین کیا۔ دہلی اور ناگپور کے دونوں مرکزوں نے اجمیری تعلیم کی اشاعت کر کے اجمیر کا نام روشن کیا۔ اور بے غرض رہ کر حکومتوں کے لئے بھی آسانیاں بہم پہنچائیں اور بتایا کہ جہانداری کے اصول کیا ہونا چاہئیں۔ پھر حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ کے متعلق یہ خیال کہ حکومت کے اثرات سے بچنے کے لئے انھوں نے دہلی چھوڑ کر پاکپٹن کو اپنا مرکز بنایا بے حقیقت ہے۔ شمال میں ضرورتِ اصلاح تھی لہذا پاکپٹن پہنچ کر انھوں نے جو اشاعت کی اس سے تاریخ بھری ہوئی ہے اور یہ حقیقت بھی روشن ہے کہ اہلِ حکومت نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا مگر وہ خاندانی دستور کے مطابق حکومت والوں سے بے نیاز ہی رہے۔ اس کے بعد جب دہلی میں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ کو اس وصیت کے ساتھ کہ "برود ہند بگیر" دہلی بھیج دیا۔ چنانچہ واقعات باوجود جبر و ظلم کئے جانے کے حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ کی کامیابی کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ حضرت چراغ دہلویؒ نے خاندانی تبرکات کو اپنے ساتھ دفن کر دینے کی جو وصیت فرمائی اس کا کسی نوعیت سے بھی یہ مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا کہ ان کے خلفاء میں اہلیت نہیں تھی یا نظامِ چشتیہ میں خلل پڑ گیا تھا۔ اگر کوئی اس قسم کا شبہ کرتا ہے تو ان کے خلیفہ سید محمد حسینی گیسو درازؒ کے کارنامے تردید کرنے کو آج بھی طیار ہیں۔ حضرت بابا صاحبؒ نے جو شمالی ہند کی اصلاح کی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ جب دہلی آئے تو خلجی سلطنت اپنے عروج پر تھی آپے سے باہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی اور یہاں نیچے سے لے کر اوپر تک بے شمار چھوٹے الہٰ پراجائے بیٹھے تھے۔ قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے قدم اول پر مخالفت کی "ہنوز دہلی دور است" کی ضرب المثل جس کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو پوری تاریخ کو یاد دلانے کے لئے کافی ہے۔ خلجیوں کے بعد خاندانِ تغلق برسرِ اقتدار آیا۔ سلطان اول غیاث الدین تغلق نے حضرت سلطان جیؒ کی مخالفت پر کمر باندھی لیکن وہ شیخ کبیرؒ کی وصیت ہندگیری پر قایم رہے آخر کار دہلی کی جامع مسجد میں ان کے خلاف مسئلہ سماع کے متعلق محضر طلب کیا گیا۔ اس مباحثہ میں جس تہذیب و علمیت کا اظہار کیا گیا وہ خود حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ کی زبان سے سننے کے لایق ہے۔ انھوں نے اپنے دردِ دل کو اسی وقت حضرت امیر خسروؒ۔ ضیاء الدین برنی اور دیگر حضرات کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ اور برنی نے جس کو حرف بہ حرف اپنی تاریخ میں درج کردیا ہے۔ ان سلطنتوں کی تباہیوں کی توجیہہ ناقدین و مبصرین جس طرح چاہیں کریں مگر حضرت سلطان جیؒ کا یہ بیان بہترین توجیہہ کر رہا ہے فرماتے ہیں:۔

"ایں چہ روزگار است ..... دراں شہرے کہ ایں چنیں مکابرہ کنند چگونہ آبادان باشد عجب است کہ خشت خشت نشود ..... چگونہ اعتقاد بر احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راسخ ماند ..... ازاں وقت یاز ایشاں روایت کردن حدیث منع کردند۔ من ترسانم کہ شومت ایں چنیں بد اعتقادی بر علمائے شہر معائنہ شد۔ از آسمان بلاو جلاو قحط و وبا بر شہر خواہد بارید"

حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ کا وصال غیاث الدین تغلق کے انتقال کے کچھ دن بعد ہوا۔ اس کے بعد محمد تغلق وارثِ تخت ہوا۔ وہ باوجود عالم و فاضل۔ مدبر و منتظم اور ذہین و طباع ہونے کے اپنے طریق کار کی وجہ سے ناکام رہا اور پاگل کہلایا۔ حضرت چراغ دہلویؒ وغیرہم کے ساتھ اس کی سختیوں اور اس کی اصلاحی جدتوں سے وہ تمام آفتیں آئیں جن کے متعلق محبوب الٰہی صاحبؒ نے اشارہ کیا تھا۔ غضب ہے خدا کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ قابلیت نا قابلیت بن گئی ۔ بلا و جلا اور قحط و وبا کی وجہ سے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی مگر سلطان جیؒ کی ہمہ گیری کی کوشش علانیہ کامیاب ہوئی جس کی تفصیل ابو الفضل نے آئین اکبری میں بیان کی ہے ۔

"در دہلی شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ۔ امیر خسرو ۔ شیخ علاء الحق ۔ در بنگال شیخ وجیہہ الدین یوسف ۔ در چندیری شیخ یعقوب و شیخ کمال ۔ در مالوہ غیاث الدین ۔ در دہار مولانا مغیث ۔ در اجین شیخ حسام در گجرات شیخ برہان الدین غریب و شیخ منتخب و خواجہ حسن در دکن محبوب الٰہیؒ کے نیر تاباں کی روح پرور و جان آفریں شعاع تھے جنہوں نے ہندوستان بھر میں روشنی پھیلا دی "

فیروز شاہ تغلق نے اپنے عہد کی حالت کے متعلق خود لکھا ہے کہ تمام ملک میں خلافِ شرع رسوم رائج ہو گئی تھیں، رکن الدین نے مہدویت کا دعوی کیا اور احمد بہاری خدائی کا مدعی بنا ۔ اس بے اصولی کے ماحول میں حضرت چراغ دہلویؒ کا خاندانی تبرکات کو اپنے ساتھ دفن کروا لینا بر بنائے ادب و احتیاط ہی سمجھا جا سکتا ہے ۔ ان واقعات و بیانات کی موجودگی میں نظام چشتیہ میں خرابی پیدا ہو جانے کا ثبوت فراہم نہیں کیا جا سکتا ۔ اور سلطنت کی لغویات کے نتائج کو نظام چشتیہ کے سر نہیں منڈھا جا سکتا ۔ برخلاف اس کے نتائج علانیہ شہادت دے رہے ہیں کہ حکومت کے بگڑ جانے پر دہلی کی مرکزیت سے زیادہ شاندار اشاعتِ اسلام احمد آباد، جونپور، بنگال، مالوہ، گجرات، احمد نگر اور دکن کے مرکزوں سے ہوئی ۔ اب سلطنت دہلی کی مرکزیت کے ختم ہو جانے کے بعد اسلامی تہذیب و تبلیغ کو جو فائدہ پہنچا اسے لامرکزیت نہیں کہا جا سکتا[۱] ۔

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت کے تعارف میں میرے فاضل و محترم دوست جناب پروفیسر محمد حبیب صاحب نے ہندوستان میں تصوف کے انحطاط کا ذکر کرتے ہوئے ضیاء الدین برنی کی غیر شائع شدہ اور غالباً غیر مقبول کتاب "فتاوی جہانداری" کے اقتباسات سے کچھ نتائج اخذ کئے ہیں ۔ مثال کے طور

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حقایق کو سمجھتے ہوئے شیخ کبیر کی "ہندبگیر" والی وصیت کے دو معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی سلطنت و حکومت برباد ہوگی اور تعلیم چشتیہ کو فروغ ہوگا۔ اسی غرض کے لئے محبوب الٰہی صاحبؒ کو دہلی بھیجا گیا تھا اور تاریخ ان دونوں معنوں کی شہادت پیش کر رہی ہے۔

سیدوں اور لودھیوں کے عہد میں تعلیم تصوف جاری رہی۔ حضرت شیخ علی بن احمد مہائمی کے کارنامے فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ تعلیم تصوف کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اسی زمانہ میں ویدانت و تصوف میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ تحریک فضول ہی سہی مگر اس سے تصوف کی صداقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پر ایک یہ ہے کہ "برنی نے رسول خدا اور خلفاء کی روایات و معمولات کو یہ کہہ کر برطرف کر دیا ہے کہ یہ اصول ایسے دور کی یادگار ہیں جو محض وقتی تھا۔ جس کا دوبارہ ظہور میں آنا اس لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک مثالی چیز تھے اور تبدیل شدہ حالات میں ان کی کوشش بے سود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی اور خلفائے راشدین کو انھوں نے تربیت دی تھی نتیجہ ظاہر ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ جو واقعات گذر گئے ان کی تکرار ناممکن ہے۔" اگرچہ سیاق و سباق نہیں معلوم لیکن یہ خیالات و نتائج ہرچند سیاست و جہانداری کے ہی متعلق کیوں نہ ہوں کچھ عجیب سے ہیں اور مغالطہ پر مبنی ہیں وہ اسلامی اصولوں کو مثالی سمجھ کر بھی نمونہ نہیں بنانا چاہتا اور بدلے ہوئے حالات میں تبدیلی کے قابل سمجھتا ہے اس قسم کی ترمیم زمانی و مکانی اصولوں میں تو ممکن ہو سکتی ہے لیکن اسلام کا تمدن تدین پر منحصر ہے۔ اس میں سلوک انبیاء و اصفیاء کے مطابق اجتہاد کرنے کی اجازت ہے لیکن اصل مثال سے ہٹ جانا صحیح نہیں ہو سکتا برنی اپنے وسیع علم کے ذریعہ شاید مذہب کو سیاست و جہانداری کا تابع محض سمجھتا ہے اس کی درباداری اور خوشامد تدین سے گریز کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ وہ خود اقرار کرتا ہے کہ "میں نے برسوں طمع و حرص دنیا سے مجبور ہو کر احکام دین کی مخالفت کی ہے اور روایتیں مجہول بیان کئے ہیں۔" لہذا اس کی ثقاہت قابل اعتبار نہیں اور نہ وہ اس اقرار کے بعد قابل ذکر اور لایق سند ہے۔ اس نے بدلے ہوئے حالات میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر غور کیوں نہیں کیا کہ سیاست و جہانداری کی جڑیں مضبوط ہو جاتیں۔ مذہبی مثالی اصولوں کو قابل ترمیم سمجھنا صحیح ذہنیت کا تقاضا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی تفسیر بدلے ہوئے حالات کے مطابق لکھنا شان اجتہاد کا اظہار ہے اسے ترمیم و تبدیلی سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ دور کیوں جایا جائے ہمارے اس زمانہ میں اپنی بساط کے مطابق بدلے ہوئے حالات میں ڈاکٹر اقبال نے تفسیر قرآن کی جو وضاحت کی ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر اقبال کے دماغ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک کا بانی رامانج تھا۔ پھر اس کی دو شاخیں ہو گئیں جو کبیر پنتھی اور داؤد پنتھی کہلاتیں۔ کبیر کو شیخ بھیکا چشتی اور شیخ تقی سہروردی کی خلافت حاصل تھی۔ بہت بعد میں اتحاد کی کوشش کے سلسلہ میں گرونانک نے بھی سکھ ازم کی تبلیغ کی۔ ان کا منشا تھا کہ برہمنوں کی آفاقیت سے محفوظ کرکے اپنی قوم کو اسلام کی مساوات سے متحد کر دیں۔ لیکن یہ ستم ظریفی قابلِ ملاحظہ ہے کہ سکھ اپنے گرو کی تعلیم کے خلاف وسوسوں میں مبتلا ہو کر برہمنوں کا کلمہ پڑھ رہے ہیں اور مسلمانوں سے دوری رکھتے ہیں۔ شیر شاہیوں کے عہد میں شاید سلیم شاہ نے تعلیم تصوف کی مخالفت کی مگر صوفیوں کی پیشانی پر بل نہیں آیا اور وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ مغلوں کے زمانہ میں شیخ محمد گوالیاری نے سلسلہ شطاریہ کی اشاعت کی اور شیخ احمد ردولوی نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو فروغ دیا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں ہمایوں بادشاہ۔ حضرت جلال الدین تھانیسری اور حضرت مجدد صاحب سرہندی کے والد شیخ عبدالاحد کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اکبر کے الحاد کو مورخین کتنی ہی اہمیت دیں لیکن وہ درون خانہ کا معاملہ تھا۔ ملک و سلطنت کے عقاید پر دربار کی چہ میگوئیوں کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ علماء سوء کے اثرات بے معنی ثابت ہوئے اور فنا ہو گئے۔ ۱۵۸۰ء میں جب اکبر نے خلیفۃ اللہ کا لقب اختیار کرنا چاہا تو جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علانیہ مخالفت کی جس کی پاداش میں وہ شہید کئے گئے۔ خود دربار میں قطب الدین خاں کوکا اور شہباز خاں کمبوہ نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنے ولی نعمت کو اس حرکت سے باز رہنے کی کوشش کی۔ اکبر کے زمانہ میں اسلامی علوم کا گہوارہ گجرات میں تھا۔ حضرت جلال تھانیسری، شیخ سلیم چشتی ان کے خلیفہ شیخ فتح الدین ترین سنبھلی۔ ملا عبدالقادر بدایونی[1]۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور محب اللہ الہ آبادی نے ظلمت کی گھٹاؤں

---

[1] باوجود قادریہ سلسلہ میں بیعت رکھنے کے ملا عبدالقادر بدایونی فتح الدین سنبھلی کے بھی مرید و خلیفہ تھے اور ان کی زیارت کے لئے اکثر سنبھل جایا کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حق کو نمایاں کر کے دکھا دیا۔ جہانگیر اور مجدد سرہندیؒ کے متعلق مختلف بے سروپا روایتیں مشہور رہیں لیکن ان کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جہانگیر نے ان کے ایک مکتوب کے اس مضمون پر جواب طلب کیا تھا کہ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کیوں لکھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے اگرچہ تاویل کر دی مگر عوام کے عقائد میں رخنہ پڑ جانے کے اندیشہ سے نظر بند کر دئے گئے۔ اس نظر بندی میں ادب برابر ملحوظ رکھا گیا اور رہا کرنے پر جہانگیر نے عقیدت کے ساتھ عطیات و نذرانے بھی پیش کئے۔ اب اگر ان روایتوں کو معتقدان مجدد صاحبؒ اور جہانگیر کے سیاسی اختلافات سے تقویت پہنچائی جاتی ہے تو وہ محض سیاسی شعبدہ بازی ہے۔ دارا شکوہ حضرت میاں میرؒ کے خلیفہ ملا بدخشانی کے سلسلہ قادریہ میں مرید تھا۔ اس کا ذوقِ تصوف اس کی تصانیف سفینۃ الاولیاء اور مجمع البحرین وغیرہ سے ظاہر و ثابت ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے دین کی بہترین خدمات کیں لیکن حضرت سرمد کو قتل کر دینے۔ طویل عرصہ دکن میں رہنے اور اپنے صاحبزادگان میں سلطنت تقسیم کر دینے کے سبب سے اس نے تفرقہ کی بُنیاد رکھ دی پھر سلطنت مغلیہ بازیچہ بن کر آخر کار انگریزوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ اس درمیان میں بھی صوفیوں کے اثرات اپنی جگہ نمایاں ہیں۔

یہ قیاس کہ اسلامی سلطنتوں کے ختم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے ذہنی و دماغی جوہر اور اخلاقی اوصاف قطعی زائل ہو گئے محض وہم ہے۔ انقلاب کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی اور انیسویں صدی کے درمیان سلطنت مرض الموت میں مبتلا تھی اور سوسائٹی میں بدنظمی و ابتری پیدا ہو گئی تھی مگر باایں ہمہ مذہب کی تبلیغ کی واضح اور نمایاں کامیابیاں دکھائی دیتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبدالعزیز۔ مولانا اسمٰعیل شہید۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔ نظام الدین اورنگ آبادی۔ شاہ فخر الدین۔ مرزا مظہر جان جاناں۔ کالے صاحب۔ سید نور اللہ۔ شاہ نور محمد۔ شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیاز احمد بریلوی ۔ جمال الدین رام پوری ۔ علماء دیو بند علماء بریلی اور اصحاب مارہرہ اور شاہ بھیک کی مسیحائی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کے بعد انیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی سیاسی ۔ اقتصادی ۔ معاشرتی اور علمی انحطاط کی حد نہیں رہی ۔ اور مغربی تعلیم کے اثرات کی وجہ سے مذہب و آخرت کا تصور بھی موہوم سا ہو کر رہ گیا لیکن اس دور میں بھی خواجہ محمد سلیمان تونسوی ۔ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی ۔ غوث علی شاہ قلندر پانی پتی ۔ حاجی وارث علی شاہ ۔ حاجی محمد شیر میاں ۔ سرسید ۔ مولانا شبلی اور مولانا اشرف علی تھانوی اور دیگر صاحبان نے اپنی ناخدائی ثابت کر کے دکھادی ۔ لیکن ہم اب اپنی بیسویں صدی کے متعلق کیا عرض کریں ۔ مذہب سے دوری ہے ۔ مسلمانوں میں اتحاد مفقود ہے ۔ شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا ہے اور بظاہر روحانیت عنقا بن کر رہ گئی ہے ۔ اس زبونیٔ حالت اور کمی استعداد کا جس قدر بھی مرثیہ پڑھا جائے کم ہے لیکن پھر بھی ایسے حضرات موجود ہیں جو اپنی گمنامی اور گوشہ نشینی میں ڈھارس بندھائے ہوئے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ فضا مسموم ہے ۔ عقاید کمزور ہو گئے ہیں اور یقین غائب ہے لیکن ملکی ۔ قومی اور مذہبی آزادیوں کے ہنگاموں میں روحانیت کا کلمہ پڑھنے والوں کی آوازیں خواہ کیسی ہی بے سری کیوں نہ ہوں مختلف سمتوں سے اب بھی سنائی دیتی ہیں ۔ اور بہ ہجوم مے پرستان بر در مے خانہ می بینم ۔ اس کے علاوہ ظاہر پرست امن و سکون کی تلاش میں جہاں سائنس سے مدد لے رہے ہیں اور فرعون کی طرح راکٹوں کے تیر آسمان پر چلا رہے ہیں وہاں دنیا کو دکھ سمجھنے والے اور فنا کے مبلغ گوتم بدھ کی پنچ شیلا میں بھی نئی روح پھونکی جا رہی ہے ۔ گئے گذرے اصولوں کو لاکھ مشعل راہ بنایا جائے اور ان کی روحانیت کا کلمہ پڑھا جائے لیکن نتیجہ معلوم ۔ امن و سکون کے تلاش کرنے والوں میں اگر واقعی خلوص ہے تو وہ دن دور نہیں کہ حقیقی روحانیت کے بیت معمور تک رسائی ہو جاتے ۔ یہ بے یقینی خود یقین کی طرف لے جانے کی ذمہ دار ہے ۔ اگرچہ نشۂ دولت و غفلت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حق کو نمایاں کر کے دکھا دیا۔ جہانگیر اور مجدد سرہندیؒ کے متعلق مختلف بے سروپا روایتیں مشہور رہیں لیکن ان کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جہانگیر نے ان کے ایک مکتوب کے اس مضمون پر جواب طلب کیا تھا کہ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کیوں لکھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے اگرچہ تاویل کر دی مگر عوام کے عقائد میں رخنہ پڑ جانے کے اندیشہ سے نظر بند کر دئے گئے۔ اس نظر بندی میں ادب برابر ملحوظ رکھا گیا اور رہا کرنے پر جہانگیر نے عقیدت کے ساتھ عطیات و نذرانے بھی پیش کئے۔ اب اگر ان روایتوں کو معتقدان مجدد صاحبؒ اور جہانگیر کے سیاسی اختلافات سے تقویت پہنچائی جاتی ہے تو وہ محض سیاسی شعبدہ بازی ہے۔ داراشکوہ حضرت میاں میرؒ کے خلیفہ ملابدخشانی کے سلسلہ قادریہ میں مرید تھا۔ اس کا ذوقِ تصوف اس کی تصانیف سفینۃ الاولیاء اور مجمع البحرین وغیرہ سے ظاہر و ثابت ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے دین کی بہترین خدمات کیں لیکن حضرت سرمد کو قتل کر دینے۔ طویل عرصہ دکن میں رہنے اور اپنے صاحبزادگان میں سلطنت تقسیم کر دینے کے سبب سے اس نے تفرقہ کی بنیاد رکھ دی پھر سلطنت مغلیہ بازیچہ بن کر آخر کار انگریزوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ اس درمیان میں بھی صوفیوں کے اثرات اپنی جگہ نمایاں ہیں۔

یہ قیاس کہ اسلامی سلطنتوں کے ختم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے ذہنی و دماغی جوہر اور اخلاقی اوصاف قطعی زائل ہو گئے محض وہم ہے۔ انقلاب کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی اور انیسویں صدی کے درمیان سلطنت مرض الموت میں مبتلا تھی اور سوسائٹی میں بدنظمی و ابتری پیدا ہو گئی تھی مگر بایں ہمہ مذہب کی تبلیغ کی واضح اور نمایاں کامیابیاں دکھائی دیتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبدالعزیز۔ مولانا اسمٰعیل شہید۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔ نظام الدین اورنگ آبادی۔ شاہ فخرالدین۔ مرزا مظہر جان جاناں۔ کالے صاحب۔ سید نوراللہ۔ شاہ نور محمد۔ شاہ

© rasailojaraid.com